سماعِ موتیٰ

کیا مُردے سنتے ہیں؟

تالیف

پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری

تخریج

محمد سرور عاصم

مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سماعِ موتیٰ

کیا مُردے سنتے ہیں؟

پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری

مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

عقیدۂ توحید اسلام اور ایمان کی بنیاد ہے قرآن مجید میں سب سے زیادہ اسی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اگر اس بنیاد میں فرق آ گیا اور یہ عقیدہ کمزور ہو گیا تو انسان کے تمام اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔ توحید کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ وہی ساری کائنات کا رازق ہے۔ آسمانوں سے بارش برساتا ہے، زمین سے کھیتیاں اگاتا ہے۔ زندگی موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ واحد ہے اس جیسا کوئی نہیں وہی کارساز، بگڑی بنانے والا، فریاد سننے والا، روزی دینے والا، مصیبت میں کام آنے والا ہے۔ شاہ و گدا، امیر و غریب سب اسی کے در کے محتاج ہیں۔

اللہ رب العالمین کی صفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اتنا بڑا گناہ ہے جسے قرآن پاک نے ظلم عظیم کہا ہے۔ اس گناہ کی شدت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان غفاری نے بھی معاف نہ کرنے کا اعلانِ عام کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [۴/ النسآء: ۴۸]

''بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔''

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ

النَّارُ ﴾ (۵/المآئدة:۷۲)

''جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

سماع موتیٰ کا مسئلہ شرک کا سب سے بڑا چور دروازہ ہے۔ اس لیے قرآن پاک نے اس کے تمام ممکنہ راستے مسدود کردیئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝﴾ [۳۵/ فاطر:۲۲]

''زندے اور مردے مساوی نہیں ہیں اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے مگر (اے نبی) تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ [۱۶/النحل:۲۰۔۲۱]

''اور جنہیں اللہ کے سوا یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں، وہ لاشیں ہیں بے جان ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ غائب، فوت شدہ لوگ کسی کی بات کا جواب دینا تو درکنار ان کی بات بھی نہیں سنتے البتہ استثنائی صورت میں اللہ تعالیٰ ان کو سنوا سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں یہ مسئلہ انتہائی سنگین صورت اختیار کر چکا ہے کہ قائلین سماع موتیٰ نہ صرف مردوں کے سننے کے قائل ہیں بلکہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ مردے سن کر جواب بھی دیتے ہیں اور حاجات بھی پوری کرتے ہیں۔

پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ کا مشن شرک کا استحصال اور اس شجرۂ خبیثہ کو جڑ سے اکھیڑنا تھا۔ چنانچہ موصوف ببانگِ دہل شرک کا رد کرتے اور کتاب وسنت کے دلائل سے توحید کی دعوت دیتے تھے۔ زیر مطالعہ رسالہ ''سماع موتیٰ'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

یہ کتابچہ سوال وجواب کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ جو افہام وتفہیم کا آسان ترین ذریعہ ہے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی باآسانی مستفید ہوسکتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

محمد سرور عاصم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ سماع موتیٰ

پہلے اسے پڑھیے: اس کتاب میں سوال و جواب کی شکل میں ''الف'' اور ''ب'' دو حروف کو ''اہل حدیث'' اور ''بریلوی'' کے مخفف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

ب السلام علیکم۔

ا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کہیے! کیسے تشریف لائے؟

ب ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔

ا فرمایئے! کیا مسئلہ ہے؟

ب مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

ا ارے بھئی! یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ یہ تو مشاہدے کی بات ہے، آپ کسی مردے سے بات کر کے دیکھ لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں۔ وہ مردہ ہی کیا ہوگا جو سنے۔ سننا تو زندوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ جو مر جاتا ہے وہ اس جہان سے چلا جاتا ہے اور برزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس جہان یعنی دنیا کے اعتبار سے وہ مردہ ہے۔ نہ سنتا ہے، نہ بولتا ہے۔ اگلے جہان یعنی برزخ میں وہ زندہ ہے۔ لیکن اس زندگی کو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ہم ان کو پکاریں اور وہ ہماری سنیں۔

ب کیا مردہ بالکل نہیں سنتا؟

ا مردہ جو ہوا اس لیے بالکل نہیں سنتا۔ اگر یقین نہ آئے تو بات کر کے دیکھ لیں۔

ب وہ بولے گا تو نہیں۔

ا بولے گا کیوں نہیں؟ اگر سنتا ہوگا تو ضرور بولے گا۔

ب مردے بولتے تو نہیں۔

ا بولتے کیوں نہیں؟

ب ان میں کوئی جان ہے جو بولیں؟

ا جب جان نہیں تو سن کیسے لیتے ہیں، کیا بولنے کے لیے جان کی ضرورت ہے، سننے کے لیے نہیں؟

ب ضرورت تو سننے کے لیے بھی ہے، لیکن سنا ہے کہ مردے سنتے ہیں، بولتے نہیں۔

ا اگر بولتے نہیں تو سنتے کس لیے ہیں؟ اللہ نے انسان میں سننا رکھا ہی اس لیے ہے کہ سن کر جواب دے اگر جواب نہ دینا ہو تو سننے کا کیا فائدہ؟ قرآن میں ہے:

﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۝﴾ [۶/الانعام:۳۶]

"یعنی جواب تو وہ دیں جو سنتے ہوں (اور مردے نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں) ان کو اللہ قیامت کو اٹھائے گا، پھر اللہ کے سامنے پیشی ہوگی۔"

درحقیقت سننا ہے ہی بولنے کے لیے اور بولنا سنانے کے لیے اگر ایک نہ ہو تو دوسرے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

ب یہ فلسفہ تو میں نہیں جانتا، البتہ میں نے سنا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

ا کس سے سنا ہے؟

ب اپنے مولوی صاحب سے۔

ا کیا آپ کے مولوی صاحب نے کسی مردے سے بات کی ہے؟

ب یہ تو مجھے معلوم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔

ا آپ مولویوں کے کہنے پر نہ رہیں، وہ تو شاید کہہ ہی دیں۔ اس لیے کہ مردوں کے فیض پر ان کا گزارہ ہے، ایصال ثواب ان کا سہارا ہے، مردوں کے ثوابوں کے سارے پارسل اور منی آرڈر ان کی معرفت جاتے ہیں، ختم اور قل شل کی بلٹیاں وہ کرتے ہیں۔ مردوں کی روحیں ان کے پاس آتی رہتی ہیں۔ ان سے کیا بعید ہے کہ وہ یہ بھی کہہ دیں کہ مردے ہم سے باتیں بھی کرتے ہیں۔ اس لیے آپ ان کے کہنے پر نہ رہیں۔ اگر تحقیق کرنی ہے تو خود کسی مردے سے بات کر کے دیکھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سنتے ہیں یا نہیں۔

ب ہمارے مولوی صاحب تو بہت بڑے عالم ہیں۔ بڑے بڑے درسوں سے فارغ ہیں۔

ا فارغ تو وہ بالکل ہیں۔ جبھی تو وہ ایسی بات کہتے ہیں۔

ب وہ کہتے ہیں کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

ا حدیثوں میں تو یہ بھی آتا ہے کہ مردے بولتے ہیں بلکہ مردے کا بول کر بتانا تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ کیا وہ مردوں کے بولنے کے قائل ہیں؟

ب قرآن مجید میں مردوں کے بولنے کے بارے میں کہاں ہے؟

ا سورۂ یٰسٓ میں ﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ۝ۙ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَ

جَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ﴾ [۳۶/یٰس:۲۶،۲۷] مردے ہی کا تو قول ہے۔اس کے علاوہ پہلے پارے میں بھی مردے کے بولنے کا واقعہ ہے۔ جہاں گائے کے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

ب وہ تو گائے کے گوشت کا ٹکڑا مارا تھا جس سے مردے نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کے بارے میں بتایا تھا۔

ا کیا گائے کا گوشت لگانے سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے اور بولنے لگ جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

ب یہ تو اللہ کی قدرت ہے، ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں؟

ا اگر مردے کو بلانے کا کام اللہ کا ہے تو مردے کو سنانے کا کام بھی اللہ ہی کا ہے، ورنہ مردہ خود کیسے سن سکتا ہے؟

ب سن تو خود لیتا ہے، حدیث میں نہیں آتا مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے، حدیث میں یہ تو نہیں آتا کہ اللہ سناتا ہے، حدیث میں تو یہ ہے کہ مردہ سن لیتا ہے۔

ا جس حدیث میں مردے کے بولنے کا ذکر ہے اس میں بھی تو یہ نہیں کہ اللہ بلاتا ہے، اس میں بھی یہ ہے کہ اگر مردہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ ''مجھے جلدی لے چلو'' اگر نیک نہیں ہے تو کہتا ہے: ''ہائے مجھے کہاں لیے جا رہے ہو''

ب اس کو مردے کا بولنا نہیں کہتے، یہ تو اس کا ''حال'' ہے ''قال'' نہیں۔ اس کی حالت کو حضور ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے، ورنہ یہ نہیں کہ وہ زبان سے یہ الفاظ کہتا ہے اور اگر اس کے اپنے الفاظ بھی ہوں تو یہ اس کی برزخی زندگی کا معاملہ ہے، اس کا اس دنیا سے کیا تعلق؟ اس کو مردے کا بولنا نہیں

کہتے۔ برعکس اس کے اس کے سننے کا معاملہ اس دنیوی زندگی سے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ زندوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ یعنی اس دنیا کی آواز سنتا ہے، اس کو مردے کا سننا ہی کہیں گے۔

ا جیسے وہ اس دنیا کی آواز سنتا ہے ایسے ہی جب وہ بولتا ہے، یا چیخ و پکار کرتا ہے تو سوائے انسان کے دنیا کی ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں: ((يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ)) [1]

''انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے''

ب انسان اس کی آواز کو کیوں نہیں سنتا؟

ا حدیث میں حضور ﷺ نے اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ اگر لوگ سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں اور مردوں کو قبروں میں دفن ہی نہ کریں۔

ب ہمیں مردے کے بولنے اور شور مچانے کا پتا تو نہیں لگتا۔

ا آپ کو اس کے سننے کا پتا لگ جاتا ہے؟

ب پتا تو سننے کا بھی نہیں لگتا۔

ا پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں؟

ب حدیث ہی کہتی ہے۔

ا حدیث تو بولنے کے بارے میں بھی بتاتی ہے، پھر جب دونوں کے بارے میں حدیث ہی کہتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ سننے کو مانتے ہیں اور بولنے کو نہیں مانتے۔

ب تو پھر کیا دونوں کو ماننا چاہیے؟

[1] بخاری: کتاب الجنائز، باب قول المیت وھو علی الجنازۃ قدمونی، رقم ۱۳۱۶۔ مشکوٰۃ: کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیھا، رقم ۱۶۴۷۔ نسائی: کتاب الجنائز، باب السرعۃ بالجنازۃ، رقم ۱۹۱۰۔

ا جب یہ ہے ہی مشاہدے کے خلاف تو آپ کیسے مان سکتے ہیں؟

ب آپ نے ہی تو بولنا ثابت کیا ہے، اب آپ دونوں کا انکار کرتے ہیں۔

ا اللہ کے بندے میں نے تو الزاماً بات کی تھی، ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ مردے سنتے ہیں یا بولتے ہیں، آپ نے پوچھا تھا مردے سنتے ہیں یا نہیں، میں نے کہا بات کرکے دیکھ لیں، آپ نے کہا وہ تو بول نہیں سکتے، میں نے کہا: پھر وہ سن بھی نہیں سکتے، آپ نے کہا سننا تو حدیث سے ثابت ہے، میں نے کہا ایسے ہی بولنا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اب اگر آپ قرآن وحدیث کی رو سے ان کا سننا مانتے ہیں تو ان کا بولنا بھی مانیں، ورنہ دونوں کا انکار کریں۔

ب جب حدیث میں آ گیا تو انکار کیسے کر سکتے ہیں؟

ا حدیث میں یہ تو نہیں کہ مردے سنتے یا بولتے ہیں۔ حدیث میں تو خاص خاص موقعوں کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کسی وقت مردے کو سنا دیتا ہے یا بلا دیتا ہے۔ مردہ ازخود ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ مردے کی حقیقت کو تو دیکھیں کیا وہ بول یا سن سکتا ہے؟

ب مردے کی حقیقت کیا ہے؟

ا حقیقت یہ ہے کہ جب مردے کی جان ہی نکل گئی، نبض بند ہو گئی، تمام طاقتیں ختم ہو گئیں، احساس جاتا رہا اب وہ کیسے سن سکتا ہے؟ مردہ وہ تو نہیں ہوتا جس میں سننے کی طاقت ہو، بولنے کی نہ ہو، مردہ تو وہ ہوتا ہے جو کچھ بھی نہ کر سکے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں مردوں ہی کا تو نقشہ کھینچا ہے:

﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ

يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ﴾ [۷/الاعراف:۱۹۵]

"کیا اب ان کے ایسے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چل پھر سکیں، ایسے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑ سکیں، ایسی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھ سکیں، ایسے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سن سکیں۔"

مطلب یہ کہ مرنے کے بعد آدمی یہ اعضا رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا، کیوں کہ جسم میں جان نہیں ہوتی اور اگر اعضا بھی نہ رہیں، آگ یا مٹی کھا جائے تو پھر تو سننے اور بولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ پھر سنے گا تو کس چیز سے، بولے گا تو کس چیز سے؟ اللہ تو اس حالت میں بھی سنا سکتا ہے، لیکن مردے کے بولنے یا سننے کا سوال ختم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ نہ کان، نہ زبان۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ ﴾ [۳۰/الروم:۵۲]

"اے نبی! اور تو کوئی مردے کو کیا سنائے گا۔ آپ بھی مردوں کو نہیں سنا سکتے جیسا کہ بہروں کو نہیں سنا سکتے۔"

بہرے کے کان تو ہوتے ہیں، لیکن سننے کی طاقت نہیں ہوتی۔ جب وہ نہیں سن سکتا تو مردہ کیا سنے گا جس میں نہ سننے کی طاقت رہی اور نہ سننے کا آلہ۔ ہاں اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی اس کے ذرات کو سنا سکتا ہے۔ کسی اور کی طاقت نہیں کہ ایسا کر سکے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ ﴾

''اللہ تو جسے چاہے سنا دے، کان ہوں، یا نہ ہوں، لیکن اے پیغمبر! آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں'' [۳۵:فاطر:۲۲]

یعنی مردہ ہیں۔ اب اس قدر وضاحت کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ مردے سنتے ہیں؟

ب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب یہ مسئلہ اتنا صاف اور واضح ہے تو ''اہلسنت'' کی اتنی اکثریت کیوں اس کی مخالف ہے؟

ا اکثریت اور اقلیت سے حق کو نہیں جانچا کرتے۔ حق کو تو دلیل اور عقل سے جانچتے ہیں۔

ب کیا اتنی اکثریت کو آپ غلط کہیں گے؟

ا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے والوں کی تعداد آپ کی اکثریت سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ اتنوں کو غلط کہیں گے۔ اللہ کے بندے حق کے مقابلے میں اکثریت کو نہیں دیکھا کرتے۔

ب آپ تو صرف آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ آپ حق پر اور ہم جو کہ پچانوے فیصد ہیں غلطی پر۔ آپ نے بھی خوب کہی۔

ا آپ بتائیے! قوموں پر عذاب اکثریت کے بگاڑ سے آتا ہے یا اقلیت کے؟

ب اکثریت کے۔

ا اب مسلمانوں پر اقبال ہے یا ادبار؟ مستقل عذاب کی سی صورت ہے یا نہیں؟

ب ہیں تو مسلمان ساری دنیا میں ذلیل۔

ا تو پھر کیا یہ ذلت آپ کی وجہ سے ہے جو اکثریتی ہیں یا ہماری وجہ سے جو آٹے میں نمک کے برابر ہیں؟

ب ذمہ داری تو اکثریت پر ہی آتی ہے۔

ا جب ہی تو میں نے کہا ہے کہ آپ اکثریت کو نہ دیکھیں۔ اگر اکثریت کے عقائد درست ہوتے تو مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ آپ سوچیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اکثریت کے عقائد و اعمال درست ہوں اور پھر مسلمانوں کی یہ درگت ہو۔ مسلمانوں کا یہ زوال اس بات کی دلیل ہے کہ اکثریت بگڑی ہوئی ہے، عقائد بھی خراب، اعمال بھی برباد، قرآن مجید نے ٹھیک کہا ہے:

﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [۳۴/سبا:۲۰]

''شیطان نے انسانوں پر اپنے خیال کو سچا ثابت کر دیا، سوائے تھوڑے سے ایمان والوں کے باقی سب اس کے پیچھے ہو لیے۔''

ب شیطان کا کیا خیال تھا جس کو اس نے سچا ثابت کر دیا؟

ا اس نے کہا تھا، میں اکثریت کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ ﴿ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ ﴾ [۳۸/ص:۸۲، ۸۳] چنانچہ اکثریت گمراہ ہوگئی۔

ب اس نے گمراہ کیسے کیا؟

ا اس عقیدے کے ساتھ کہ مردے سنتے ہیں۔

ب اس عقیدے کا گمراہی سے کیا تعلق؟

ا یہ عقیدہ شرک کی بنیاد ہے اور شرک اصل گمراہی ہے۔

ب یہ عقیدہ شرک کی بنیاد کیسے ہوگیا؟

ا اللہ کے سوا نبیوں، ولیوں، پیروں اور فقیروں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر جو پکارا جاتا ہے تو یہ اسی عقیدے کے تحت ہے کہ وہ سنتے ہیں اگر عقیدہ یہ ہو کہ وہ مر چکے ہیں اور جو مر جائے وہ نہیں سنتا تو ان کو کون پکارے اور یہ پکارنا ہی اصل شرک ہے۔

ب شرک کہتے کسے ہیں؟

ا اللہ کی ذات، صفات یا افعال میں کسی کو شریک سمجھنا شرک ہے۔

ب اس کا کیا مطلب ہے؟

ا اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی شرک ذات کا ہوتا ہے، کبھی صفات و افعال کا۔ ذات کا شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی ذات میں شریک سمجھنا، اسی طرح کہ کوئی اللہ کا جزو ہے یا اللہ کسی کا جزو ہے۔ کوئی اللہ کی اولاد ہے یا اللہ کسی کی اولاد ہے، کوئی اللہ سے نکلا ہے یا اللہ کسی میں سے نکلا ہے۔ یعنی اللہ میں اور کسی میں جزو کل یا کسی رشتے ناطے کا تعلق ہے۔ جیسے باپ بیٹے یا آدم وحوا کا یا ((نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ)) کا۔ صفات کا شرک یہ ہے کہ اللہ جیسی صفات کسی اور میں ثابت کرنا۔ کسی کو عالم الغیب، یا مختار کل یا حی وقیوم سمجھنا۔ افعال کا شرک یہ ہے کہ جیسے کام اللہ کرتا ہے اور بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً اولاد دینا، صحت دینا، زندہ کرنا وغیرہ۔

ب آپ نے تو شرک کو بہت لمبا چوڑا بنا دیا ہے۔ ہم نے تو سنا ہے کہ شرک بتوں کی عبادت کو کہتے ہیں۔

ا شرک تو اللہ کا شریک بنانے کو کہتے ہیں، خواہ نبی، ولی کو بنایا جائے یا پیر فقیر کو، زندوں کو بنایا جائے یا مردوں کو، بتوں کو بنایا جائے یا مزاروں کو۔ جب بندہ کسی

کو بھی اللہ کی ذات وصفات اور افعال میں شریک سمجھتا ہے تو مشرک ہو جاتا ہے۔ شرک ایک عقیدہ ہے۔ عبادت بتوں کی ہو یا کسی اور کی۔ اس عقیدے کا نتیجہ ہے کہ آدمی مشرک پہلے بنتا ہے عبادت غیر کی بعد میں کرتا ہے۔ جیسے اللہ پر ایمان پہلے لایا جاتا ہے اور نماز بعد میں پڑھی جاتی ہے۔

ب ہم تو آج تک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک ہے۔

ا غیر اللہ کی عبادت کوئی بھی ہو۔ سب شرک ہے۔ عبادت صرف اسی کی ہو سکتی ہے جو خالق ورازق ہو۔ مالک وقادر ہو، حی وقیوم ہو، محی وممیت ہو۔ چونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ایسی صفات کا مالک نہیں اس لیے عبادت کا مستحق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ بندگی بندے کے مالک کا ہی حق ہے۔ نوکر کسی کا ہو چاکری کسی کی کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شیطان نے چونکہ انسان کو گمراہ کرنا ہے اس لیے وہ خدا کی مخلوق میں خدائی صفات کا تصور دلاتا ہے، تاکہ شرک ہو۔ وہ کہتا ہے: انبیا اور اولیا مرتے نہیں وہ صرف پردہ کرتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ وہ سب کچھ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ جب یہ عقیدۂ شرک راسخ ہو جاتا ہے تو پھر ان کی عبادت شروع ہو جاتی ہے اور غائب کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ عبادت بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی، کسی قسم کی بھی ہو جبھی ہوتی ہے جب ان میں خدائی صفات مان لی جاتی ہیں۔ اگر عقیدہ یہ ہو کہ وہ مر گیا ہے اور اب کچھ نہیں کر سکتا، حتی کہ سن تک نہیں سکتا تو شرک کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے موت رکھی ہی اس لیے ہے کہ سب کی بے بسی اور عاجزی ظاہر ہو جائے اور شرک نہ ہو۔ یہ عقیدہ کہ مردے سنتے ہیں موت کی

تاثیر کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر شرک پیدا ہوتا ہے۔ اللہ انبیا اور اولیا کو موت دے کر شرک کو مٹاتا ہے۔ مشرکین ان کو زندہ ثابت کر کے کہ وہ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، فیض پہنچاتے ہیں، شرک پھیلاتے ہیں۔ اگر یہ شیطانی مفروضات نہ ہوں تو شرک کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین اس عقیدے کا دفاع کرتے ہیں اور قرآن اس کا بہت رد کرتا ہے۔ قرآن مردوں کے بولنے، چلنے، پھرنے، کھانے پینے یا کسی اور فعل کی نفی پر اتنا زور نہیں دیتا جتنا سننے کی نفی پر زور دیتا ہے۔ کیوں کہ دوسرے تمام افعال نظر آتے ہیں ان کا جھوٹ چل نہیں سکتا، سننے کا جھوٹ چل سکتا ہے۔ کیوں کہ اس کا پتا نہیں لگتا۔ اس لیے قرآن سننے کی تردید بہت کرتا ہے۔ زندہ اور مردے کا فرق تو کئی لحاظ سے ہے لیکن قرآن سننے کے فرق کو ہی نمایاں کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝﴾ [۳۵/ فاطر:۲۲]

"زندے اور مردے برابر نہیں۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ فرق یہ ہے کہ زندہ سنتا ہے، مردہ سنتا نہیں، زندہ کو ہر کوئی سنا سکتا ہے، مردے کو اللہ سنائے تو سنائے اور کوئی نہیں سنا سکتا۔ حتی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی مردے کو نہیں سنا سکتے۔"

اگر کوئی سمجھے تو موت ہے ہی شرک کی کمر توڑنے کے لیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی ولی پر موت وارد کی تاکہ لوگ ان کو اللہ کا شریک نہ بنائیں۔ وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے مرے اور دفن ہوئے۔ اس طرح اللہ نے ان کی بے بسی اور عاجزی کو خوب ظاہر کر دیا کہ جو خود مر گئے وہ کسی کو کیا بچا یا فائدہ پہنچا سکتے

ہیں۔ وہ تو اب سننے بولنے سے بھی عاجز ہیں۔ فائدہ کیا پہنچائیں گے۔ لہٰذا ان کو سہارا سمجھنا اور مشکل کشا جاننا حماقت ہے۔ پکارنے اور سہارا بنانے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ جس کو موت نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ﴾

"وہ زندہ ہے، وہی الٰہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ عقیدہ درست کر کے اسی کو پکارو۔" [۴۰/ الغافر:۶۵]

یعنی پکارے جانے کے لائق وہ ذات ہے جو زندہ ہے، جسے موت نہیں۔ پھر فرمایا:

﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾ [۲۵/ الفرقان:۵۸]

"بھروسہ بھی اسی زندہ پر کرو جسے موت نہیں"

جس کے لیے موت ہو اس پر کیا بھروسہ؟ شرک کروانے کے لیے شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ نبیوں ولیوں کو مردہ نہ ہونے دے بلکہ ان کو زندہ ثابت کرے۔ اس لیے کبھی وہ کہتا ہے:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ

"اولیا مرتے ہی نہیں، بلکہ دنیا سے پردہ کر لیتے ہیں۔" کبھی وہ کہتا ہے: "بزرگ مرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں دنیا کی طرح زندہ ہوتے ہیں اور سب کچھ کرتے ہیں۔" کبھی وہ کہتا ہے: "مردے سارے ہی سنتے ہیں۔ جب سارے ہی سنتے ہیں تو انبیا اور اولیا تو بطریق اولیٰ سنتے ہوں گے۔ جب وہ سنتے ہیں تو ان کو پکارنے میں کیا حرج۔ ان کو تو دنیا میں بھی اللہ کا قرب حاصل تھا۔ مرنے کے بعد تو اور قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کی طاقتوں میں

بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو کام پہلے دنیوی زندگی میں وہ نہیں کر سکتے تھے اب کر سکتے ہیں۔ وہ خود بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اللہ سے بھی بذریعہ سفارش بہت کچھ کروا سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کو پکارنا چاہیے۔"

مشرکوں کو مردوں کے سننے کے عقیدہ کی اصل میں ضرورت تو انبیا اور اولیا کے لیے تھی تاکہ ان کو خدا کا شریک بنایا جا سکے۔ لیکن چونکہ ان کے لیے کوئی خاص دلیل نہ تھی، انھیں عام نصوص سے کام لینا پڑتا ہے جو بطور اعجاز خداوندی عام مردوں کے لیے تھیں اس لیے مسئلہ یہ بنایا کہ مردے سنتے ہیں ورنہ عام مردوں کے سننے سے مشرکوں کو کوئی دلچسپی نہیں۔ چونکہ عام مردوں کے سننے سے خواص کا سننا بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے اور علیحدہ ان کے سننے کی کوئی دلیل نہیں اس لیے عام مردوں کے سننے پر زور دیا جانے لگا اور استدلال ان نصوص سے کیا جانے لگا جو اللہ کی قدرت پر دال ہیں نہ کہ مردوں کے سننے پر۔ اگرچہ شیطان اپنی ان چالوں میں بہت کامیاب ہے۔ اس نے مسلمانوں کی اکثریت کو گمراہ کر لیا ہے، کیونکہ یہ عقیدہ بہت عام ہے، لیکن عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ عقیدہ بالکل بے بنیاد ہے۔ ایک طرف مردہ کہنا، دوسری طرف یہ کہنا کہ وہ سنتا ہے، صریح تضاد ہے۔ وہ مردہ ہی کیا ہوگا جو سنے۔ سننا زندوں کا کام ہے، نہ کہ مردوں کا۔

ب یہ عقیدہ بے بنیاد کیسے ہے؟ قبرستان میں جا کر جب سلام کیا جاتا ہے تو مردے سنتے ہیں۔

ا کہاں سنتے ہیں؟

ب اگر نہیں سنتے تو قبرستان جا کر السلام علیکم کیوں کہا جاتا ہے؟

ا جب آپ کسی کو خط لکھتے ہیں تو السلام علیکم خطاب کے صیغے سے کیوں لکھتے ہیں، کیا وہ اس وقت سنتا ہے؟

ب سنتا تو نہیں لیکن ہم خط میں اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو حاضر سمجھ لیتے ہیں۔

ا ایسے ہی دعا میں ہم مردوں کو سمجھ لیتے ہیں اگرچہ وہ سنتے نہیں۔

ب لیکن خط تو اس کو پہنچتا ہی ہوتا ہے۔

ا ہمارا سلام بھی مردوں کو بذریعہ خدائی ڈاک پہنچتا ہی ہوتا ہے۔

ب کیا مردے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیتے۔

ا صحیح تو یہ ہے کہ جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ ہمارا سلام سلام تحیہ نہیں ہوتا جس کے جواب کی ضرورت ہو بلکہ سلام دعا ہوتا ہے، جو بطور دعا کے ان کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر مان لیا جائے کہ وہ جواب دیتے ہیں تو اس کی صورت وہی ہوتی ہے جو خط کے سلام اور اس کے جواب کی ہوتی ہے جس میں سننا سنانا مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں بلکہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ مردے کا سلام و جواب بھی کلام کی قسم سے نہیں ہوتا کہ مردہ زندے کا سلام سنے اور زندہ مردے کا، کیونکہ ان میں بہت بُعد (فاصلہ) ہوتا ہے۔ ایک اس جہان میں ہوتا ہے دوسرا اگلے جہان میں، سوائے خدائی ذریعے کے ارسال و ترسیل کی صورت نہیں ہوتی۔ جب خدائی ڈاک سے زندے کا سلام مردے کو پہنچتا ہے جیسے اور دعائیں پہنچتی ہیں تو وہ جواباً دعا دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ زندے کا

السلام علیکم سن کر وعلیکم السلام کہتا ہے۔ (جیسا کہ کلام کیا جاتا ہے)

ب کیا مردے سلام خود نہیں سنتے؟

ا اللہ کے بندے وہ مردے ہیں، وہ کیا سنیں گے؟

ب ہم نے تو یہی سنا ہے کہ وہ سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

ا کبھی آپ نے ان کا جواب سنا ہے۔

ب سنا تو کبھی نہیں۔

ا پھر اس جواب کا فائدہ کیا جو آپ کو سنائی نہ دے۔

ب ہم ان کا جواب کیسے سن سکتے ہیں؟

ا جیسے وہ ہمارا سن لیتے ہیں، وہ مرے ہوئے سن لیں آپ زندہ نہیں سن سکتے۔

ب موت کے بعد تو مردے میں بہت طاقت آ جاتی ہے۔ اس لیے وہ سن سکتا ہے ہم نہیں سن سکتے۔

ا جب ان میں بہت طاقت آ جاتی ہے تو پھر وہ ہمیں کیوں نہیں سنا دیتے یا تو سلام کا جواب نہ دیں اور اگر جواب دیتے ہیں تو پھر ہمیں سنائیں۔ وہ جواب ہی کیا ہوا جو سنائی نہ دے۔

ب انھیں ہمیں سنانے کی کیا ضرورت ہے؟

ا جو ضرورت انھیں سننے کی ہے۔ اگر مردوں کو سلام کا جواب سنانے کی ضرورت نہیں تو ہمارا سلام سننے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارا سلام دعا ہے جو اللہ خود بخود پہنچا دیتا ہے۔ اس میں سننے سنانے کے تکلف کی کیا ضرورت؟

ب مردوں کا تو حق ہے کہ ہم ان کو سلام بھیجیں اور مختلف عمل کر کے ان کو ثواب

پہنچائیں۔

ا جب وہ زندہ ہیں تو ان کو ثواب پہنچانے کی ضرورت؟ ایصال ثواب تو مردوں کو کیا جاتا ہے نہ کہ زندوں کو۔ زندہ تو خود عمل کر لیتا ہے، عمل تو مردہ نہیں کر سکتا۔

حدیث میں ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ)) [1]

''مرنے کے بعد آدمی کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔''

وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ بھی ایک عمل ہے جس کا ثواب مرتب ہوتا ہے۔

ب آپ کہتے ہیں مردہ کوئی عمل نہیں کر سکتا، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

ا حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو لبیک لبیک پکارتے ٹیلے سے اترتے ہوئے، حج کو جاتے دیکھا ہے۔ اسی طرح یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر لبیک لبیک پکارتے ہوئے دیکھا ہے۔

ب جب موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فوت شدگان کا عمل کرنا تو ثابت ہو گیا۔

ا جب تلبیہ پکارتے ہوئے حج کو جاتے دیکھا تو حج کرنا ثابت نہ ہوا؟

ب حضور ﷺ نے دیکھا تو حج کرنا بھی ثابت ہو گیا۔

[1] مسلم: کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، رقم ۱۴۔۴۲۲۳۔ نسائی: کتاب الوصیۃ، باب فضل الصدقۃ عن المیت، رقم ۳۶۸۱۔ ابوداود: کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الصدقۃ عن المیت، رقم ۲۸۸۰۔ ارواء الغلیل ۶/ ۲۸ کتاب الوقف۔

ا اگر وہ حج بھی کرتے ہیں تو حج کرتے ہوئے لوگوں کو نظر کیوں نہیں آتے؟

ب جب وہ اس جہان سے چلے گئے ہیں تو اب نظر کیسے آسکتے ہیں؟

ا یہی تو ہم کہتے ہیں کہ جب وہ اس جہان سے چلے گئے ہیں اور برزخ میں پہنچ چکے ہیں تو اب وہ حج کیسے کر سکتے ہیں۔ حج تو زندوں پر ہے جو اس جہان کے باشندے ہیں نہ کہ مردوں پر جو کہ برزخی زندگی گزار رہے ہیں۔

ب جب حضور ﷺ نے ان کو حج کرتے دیکھا تو وہ حج کرتے ہیں۔

ا اگر وہ حج کرتے ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے ان کو وہ نظر کیوں نہ آئے؟

ب ممکن ہے اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ نہ ہوں۔

ا حج بھی کبھی اکیلے ہوتا ہے؟ حج تو نویں تاریخ کو دن میں ہوتا ہے اور سب اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ کونسی پہاڑی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو تلبیہ پکارتے ہوئے ٹیلے سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس طرح سرخ اونٹنی پر یونس علیہ السلام کو تلبیہ کہتے ہوئے دیکھا۔ جب حضور ﷺ نے ہی دیکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نظر نہ آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا جو اللہ نے ان کو ان نبیوں کی دنیوی زندگی کی ایک جھلک دکھادی۔ یہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام حقیقتاً اس وقت قبر میں نماز پڑھ رہے تھے یا لبیک لبیک پکارتے حج کو جا رہے تھے۔ اس لیے حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا گویا کہ میں

دیکھ رہا ہوں:

((کَاَنِّیْ اَنْظُرُ)) [1]

یعنی فی الواقع وہ اس وقت نماز نہیں پڑھ رہے تھے۔ وہ مثالی صورت تھی۔

ب جب آپ ﷺ نے دیکھا تو یہ ضرور حقیقت ہوگی۔

ا حقیقت تو تھی، لیکن حقیقت دنیوی زندگی کی تھی جو اللہ نے اس وقت دکھائی۔

ب حضور ﷺ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو وہ موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں گے۔

ا تھے تو وہ موسیٰ علیہ السلام ہی، لیکن وہ منظر ان کی دنیوی زندگی کا تھا۔ وہ اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عالم مثال تھا۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے معراج کی رات جوتوں سمیت جنت میں چلتے پھرتے دیکھا۔ حالانکہ وہ اس وقت دنیا میں زندہ موجود تھے۔ ابھی فوت بھی نہیں ہوئے تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عالم آخرت کا نقشہ حضور ﷺ کو دکھادیا ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کی دنیوی زندگی کا نقشہ دکھادیا۔ ایسے واقعات سے یہ استدلال کرنا کہ فوت شدگان زندہ ہیں اور عمل کرتے ہیں، صحیح نہیں کیونکہ یہ برزخی زندگی کے معاملات ہیں جو کہ خرق عادات ہیں۔ ان سے کوئی عموم کشید کرنا زیادتی ہے۔ مردے مردے ہیں، نہ سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں۔ اللہ جس حالت میں چاہے ان کو دکھادے یا جو چاہے کروادے، لیکن جو وہ کریں گے وہ ان کا فعل نہ ہوگا، بلکہ اللہ کا فعل ہوگا۔ جیسے اگر کوئی کسی کو

---

[1] مسلم: کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السموات وفرض الصلوات، رقم ۴۲۰۔ ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب الحج علی الرحل، رقم ۲۸۹۱۔

اتفاق سے کہیں مل جائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ وہاں رہتا ہے۔ اگر کسی کو راستے میں کوئی روپیہ پیسہ مل جائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں جگہ پیسے ملتے ہیں۔ یہ تو اتفاق ہے جس کے لیے عموم نہیں ہوسکتا۔ آپ جو کہتے ہیں کہ مردے سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ پھر اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں تو آپ یہ بتائیں کہ اگر ان سے کچھ اور پوچھا جائے تو کیا وہ سنیں گے اور جواب دیں گے۔

ب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔

ا پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔ اگر مردے سنتے ہوں اور جواب دیتے ہوں تو سب کچھ سنیں اور جواب دیں۔ یہ تو نہیں کہ صرف سلام سنیں اور سلام کا ہی جواب دیں۔ نہ اور کچھ سنیں اور نہ کسی بات کا جواب دیں۔ اگر وہ اپنی طاقت سے سلام سنتے اور جواب دیتے ہوں تو وہ سب کچھ سنیں اور جواب دیں، لیکن اگر وہ صرف سلام ہی سن سکتے ہوں اور صرف اس کا ہی جواب دے سکتے ہوں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ زندہ نہیں اور سلام سننا اور جواب دینا ان کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے۔ جسے خرق عادت کہیں گے۔ خرق عادت یا معجزہ اسی جزئی یا خاص واقعہ پر بند رہتا ہے۔ اس سے عام استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

ب مردہ جوتیوں کی آہٹ تو سنتا ہے۔ جب اسے قبر میں بند کر کے جاتے ہیں یا وہ بھی نہیں سنتا۔

ا وہ تو سنتا ہے۔

ب پھر مردوں کا سننا تو ثابت ہوگیا۔

ا مردوں کا سننا ثابت نہ ہوا اللہ کا سنا دینا ثابت ہوا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور خاص موقع کا ذکر ہے۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ مردے سنتے ہیں۔ اس سے تو بلکہ یہ ثابت ہوا کہ مردہ نہیں سنتا۔ اگر مردہ سنتا ہوتا تو حدیث میں یہ ذکر نہ ہوتا کہ جب مردے کو دفن کر کے جاتے ہیں تو وہ جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے بلکہ عام بات ہوتی کہ انسان مرنے کے بعد بھی ہر آواز ہر وقت سنتا ہے۔ اس میں جانے والوں کے جوتوں کی آواز بھی آجاتی اور آنے والوں کی بھی اور عام باتیں بھی۔ کیونکہ خاص سے عام ثابت نہیں ہوتا بلکہ عام سے خاص ثابت ہو جاتا ہے۔ جب حدیث میں عام ذکر نہیں بلکہ خاص ذکر ہے کہ وہ جانے والوں کے صرف جوتوں کی آواز سنتا ہے تو ان کی باتیں نہیں سنتا۔

ب جب سنتا ہے تو سب کچھ ہی سنتا ہوگا۔

ا بھئی! حدیث کو تو دیکھو جو آپ نے پیش کی ہے۔ اس میں تو صرف جانے والوں کی آہٹ کے سننے کا ذکر ہے اگر وہ سب کچھ ہی سنتا ہوتا تو پھر اس کو خاص کرنے کا فائدہ۔

ب یہ خاص موقع کی بات نہیں بلکہ حدیث کا مطلب ہے کہ مردہ جوتیوں کی آہٹ تک سنتا ہے۔ جس سے دلالۃً ثابت ہوگیا کہ وہ سب کچھ اور ہر وقت سنتا ہے۔

ا جوتیوں کی آہٹ تو آنے والوں اور جانے والوں کی برابر ہے، پھر جانے والوں کو خاص کرنے کا کیا فائدہ؟

ب اس فائدہ کا مجھے پتا نہیں، لیکن فی الجملہ یہ تو ثابت ہوگیا کہ وہ سنتا ہے۔ مقید کے ضمن میں مطلق آ ہی جاتا ہے۔

ا حدیث کا مقصود یہ بتانا نہیں کہ مردے سنتے ہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے جاتے ہیں تو اسے احساس دلایا جاتا ہے کہ دیکھ جن کی وجہ سے تو مارا مارا پھرتا تھا، حلال حرام، جائز ناجائز کی بھی کوئی تمیز نہیں رکھتا تھا۔ اب تجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کوئی تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لیے چھوڑ کر جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنائی جاتی ہے، نہ آنے والوں کی آہٹ، نہ جانے والوں کی باتیں کیونکہ اکیلے رہ جانے اور چھوڑ جانے کا احساس اسی سے ہوسکتا ہے۔

ب حدیث کا مقصود کچھ بھی ہو سننا تو ثابت ہو گیا۔ کسی وقت سننے سے ہر وقت سننے کی نفی تو نہیں ہوتی۔

ا اس سے ہر وقت سننا بھی تو ثابت نہیں ہوتا۔

ب جب ایک دفعہ سننا ثابت ہو گیا تو ثابت ہوا کہ مردے سنتے ہیں۔ آپ جب اب سنتے ہیں تو پھر بھی سن سکیں گے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پھر آپ نہیں سنیں گے۔ جو ایک وقت سن سکتا ہے وہ ہر وقت سن سکتا ہے۔

ا ارے میں تو زندہ ہوں اور سننا میرا فعل ہے، اس لیے میں تو ہر وقت سن سکتا ہوں، لیکن بات تو مردے کی ہو رہی ہے۔ آپ مردے کو زندے پر قیاس کرتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے میں بہت فرق ہے۔ جاگتا سنتا ہے اور سویا ہوا نہیں سن سکتا۔ زندہ اور مردہ میں تو اس سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَ مَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [۳۵/فاطر:۲۲]

"زندے اور مردے برابر نہیں۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ زندہ سنتا ہے، مردہ نہیں سنتا۔ اللہ تو جسے چاہے سنادے، وہ تو مردے کو بھی سنا سکتا ہے، لیکن اے نبی ﷺ! تو مردے کو نہیں سنا سکتا۔ تو صرف زندے کو ہی سنا سکتا ہے۔"

ثابت ہوا کہ زندہ تو خود سنتا ہے، لیکن مردہ نہیں سن سکتا۔ مردے کو تو جب سنائے اللہ ہی سنائے۔

ب جب اللہ سناتا ہے پھر تو سنتا ہے؟

ا ہاں پھر تو سنتا ہے۔

ب سننا تو پھر بھی ثابت ہو گیا۔

ا اللہ اگر پتھر کو سنائے تو وہ نہیں سنے گا؟

ب تو پھر، پتھر کے لیے بھی سننا ثابت ہو گیا۔

ا کیا آپ کہیں گے کہ پتھر بھی سنتے ہیں؟

ب پتھر اور بندے میں تو بہت فرق ہے۔

ا پتھر اور بندے میں تو بہت فرق ہے، لیکن پتھر اور مردے میں تو سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ جیسے پتھر میں سننے کی طاقت نہیں ایسے ہی مردے میں بھی سننے کی صلاحیت نہیں۔

ب جب مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں تو پھر مردہ جوتیوں کی آہٹ کیسے سن لیتا ہے۔

ا وہ تو اللہ سناتا ہے۔ اس کو مردے کا سننا نہیں کہتے۔

ب سنتا تو مردہ ہی ہے۔ مردے کا سننا کیوں نہیں کہتے؟

ا یہ نسبت مجازی ہے۔ حقیقت میں یہ فعل مردے کا نہیں ہوتا، اللہ کا ہوتا ہے۔ چونکہ مردہ اللہ کے اس فعل کے لیے محل ہوتا ہے اس لیے مجازاً نسبت مردے کی طرف کر دیتے ہیں جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں اسٹیشن آ گیا، حالانکہ آنے کا کام گاڑی کرتی ہے۔ نسبت اسٹیشن کی طرف کر دیتے ہیں اسی طرح ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور گراموفون ہیں۔ ہم کہتے ہیں ریڈیو بولتا ہے۔ حالانکہ بولنا اس کا فعل نہیں۔ مجازاً اس کی نسبت اس کی طرف کر دیتے ہیں کیونکہ بظاہر فعل کا ظہور اس سے ہوتا ہے۔ کوئی فعل کسی کا اس وقت کہلاتا ہے جب وہ اس کو اپنے شعور اور ارادے اور اپنی طاقت سے کرے جو اللہ نے اس میں مستقل طور پر ودیعت کر رکھی ہے۔ مردہ چونکہ مردہ ہے اس میں احساس اور ارادہ نہیں ہوتا اس لیے اس کے کسی فعل کو اس کا فعل نہیں کہتے۔ وہ حقیقت میں اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ جسے اعجاز کہتے ہیں اور اعجاز میں عموم نہیں ہوتا کہ آپ اس پر قیاس کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب اللہ چاہتا تھا سانپ بن جاتا تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ لاٹھیاں سانپ بن جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں آسمانوں پر گئے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسان آسمانوں پر جاسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ جب مردہ جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے تو وہ سب کچھ سنتا ہوگا۔ جیسا کہ ہم سب کچھ سنتے ہیں ہم زندہ ہیں، وہ مردہ ہیں۔ زندے اور مردے میں یہی فرق ہے کہ زندہ اپنی طاقت سے سنتا ہے اور مردے میں وہ طاقت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ نہیں سن سکتا۔ زندہ بھی اس وقت تک سن سکتا ہے جب تک اس میں وہ طاقت رہتی ہے۔ آپ بتائیں کہ جب آدمی سو جاتا ہے تو پھر بھی سنتا ہے؟

ب پھر تو وہ نہیں سنتا۔

ا جب سویا ہوا آدمی نہیں سن سکتا تو مردہ کیسے سنے گا؟

ب شہدا تو سنتے ہوں گے، وہ تو زندہ ہیں۔

ا شہید کہتے کسے ہیں؟

ب جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے۔

ا قتل ہونے کے بعد شہید بنتا ہے یا پہلے؟

ب بنتا تو قتل ہونے کے بعد ہی ہے۔

ا جان نکلنے سے پہلے تو کوئی شہید نہیں ہوسکتا۔

ب نہیں۔

ا پھر شہید زندہ کیسے ہوا؟ زندہ تو غازی ہوتا ہے، شہید نہیں ہوتا۔

ب سنا ہے کہ شہید تو مرتے ہی نہیں۔

ا اگر مرتے نہیں تو شہید کیسے ہو جاتے ہیں؟ شہید تو ہوتا ہی وہ ہے جو اللہ کی راہ میں مر جائے، یعنی شہادت ملتی ہی موت کے بعد ہے۔

ب کیا قرآن مجید نہیں کہتا کہ شہید زندہ ہیں۔

ا قرآن مجید کہاں کہتا ہے کہ شہید زندہ ہیں۔ قرآن مجید تو پہلے شہداء کے لیے موت ثابت کرتا ہے، پھر برزخی زندگی کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ [۳/آل عمران:۱۶۹]

''جو جہاد میں مارے جاتے ہیں، ان کو مردہ نہ خیال کرو۔ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔''

قرآن شہید کو دنیا کے اعتبار سے مردہ اور اگلے جہان کے اعتبار سے زندہ بتاتا ہے۔ قرآن یہ نہیں کہتا کہ شہید دنیا میں زندہ ہیں، سنتے ہیں دیکھتے ہیں یا کوئی اور کام کرتے ہیں۔

ب اگلے جہان میں تو سارے ہی زندہ ہیں پھر شہیدوں کی کیا خصوصیت؟

ا کیا شہیدوں کی خصوصیت اسی میں ہے کہ وہ دنیا میں واپس آ جائیں گے؟

ب آخر یہ خصوصیت تو ہے کہ وہ مر کر بھی زندہ ہیں۔

ا کہاں؟ دنیا میں یا برزخ میں۔

ب دونوں جگہ۔ دنیا میں بھی اور برزخ میں بھی۔

ا دونوں جگہ کیسے ہوسکتے ہیں، آپ جانتے ہیں برزخی زندگی کب شروع ہوتی ہے؟

ب جب آدمی مر جاتا ہے۔

ا یعنی دنیوی زندگی ختم ہونے پر۔

ب ہاں۔

ا جب برزخی زندگی دنیوی زندگی کے ختم ہونے پر شروع ہوتی ہے تو دونوں جمع کیسے ہوسکتی ہیں۔ کیا دن رات جمع ہوسکتے ہیں؟ کیا جوانی اور بڑھاپا جمع ہوسکتے ہیں۔ جب ایک چیز کی ابتدا دوسری کی انتہا ہو تو ایسی چیزیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ جیسے دن رات جمع نہیں ہوسکتے۔ دن ختم ہوگا تو رات آئے گی، جیسے بچپن، جوانی، بڑھاپا جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک ختم ہوگا تو دوسرا آئے گا۔

اسی طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص دنیا میں بھی زندہ ہو اور برزخ میں بھی۔ اگر دنیا میں زندہ ہے تو برزخ میں نہیں، اگر برزخ میں زندہ ہے تو دنیا میں نہیں، کیونکہ دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد برزخی زندگی شروع ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا سفر پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے بچپن، پھر جوانی، پھر بڑھاپا۔ پھر موت کے دروازے سے برزخ۔ پھر آخرت، پھر اصلی ٹھکانا: جنت یا دوزخ۔ اس پر یہ سفر ختم ہو جاتا ہے۔ جب سے یہ سفر شروع ہوتا ہے آدمی کا رخ آگے کی طرف ہی رہتا ہے۔ آگے کی طرف قدم سست یا تیز ہوسکتا ہے۔ پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ بچپن میں ہی موت آ جائے، جوانی اور بڑھاپے کی نوبت ہی نہ آئے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ جوان پھر بچہ بن جائے، یا بوڑھا پھر جوان ہو جائے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ برزخ میں ہی اخروی لذتیں حاصل ہونے لگ جائیں۔ جیسا کہ شہدا کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شہید برزخ سے واپس دنیا میں آ جائے۔ کیونکہ یہ دنیا قید خانہ ہے اور موت اس سے نکلنے کا دروازہ ہے۔ چونکہ موت سے ہی آدمی اس قید خانے سے نکلتا ہے اس لیے موت سے ہی مومن کی ترقی ہے۔ اس لیے نبی، ولی، خاص، عام سب پر موت آتی ہے اور وہ اس دروازے سے نکل کر جو مدارج اللہ نے ان کے لیے تیار کیے ہیں ان کے حصول کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ شہید اور نبی تو درکنار کوئی مومن بھی نہیں چاہتا کہ ایک دفعہ اس قید خانے سے نکل کر پھر اس قید خانے میں واپس آ جائے اور اپنی منزل مقصود سے دور ہو۔

ب سنا ہے شہید تو اس دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرتے ہیں۔

ا دنیا میں آنے کی آرزو نہیں کرتے دوبارہ شہید ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔

ب آخر شہید تو اس دنیا میں آ کر ہی ہو سکتے ہیں۔

ا تو پھر کیا اللہ ان کو بھیج دیتا ہے؟

ب آخر بھیجتا ہی ہوگا۔ اللہ ان کی بات رد تو نہیں کرتا ہوگا۔

ا تو پھر کیا آپ نے کسی شہید کو دنیا میں آ کر رہتے اور دوبارہ شہید ہوتے دیکھا ہے؟

ب دیکھا تو نہیں۔

ا آپ نے دیکھا بھی نہیں اور آتا بھی کوئی نہیں۔ اللہ ان کی اس خواہش کو پورا نہیں کرتا جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ اس لیے کہ یہ فعل عبث ہے، اللہ کی حکمت کے خلاف ہے، مر کر پھر دنیا میں آنا تنزل ہے، ترقی نہیں۔ ترقی آگے جانے میں ہے کیونکہ جنت آگے ہے اور جنت کا مل جانا فوزِ عظیم ہے اس لیے مومن آگے ہی جاتا ہے دنیا میں واپس نہیں آتا۔

ب عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ تو دنیا میں واپس آئے۔

ا اس کو واپس آنا نہیں کہتے۔ واپس آنا تو وہ ہے جو اپنی مرضی سے ہو اور ایسے کوئی واپس نہیں آیا۔

ب مرضی سے آیا یا اللہ لایا، دنیا میں آ تو گیا۔ دنیوی زندگی تو مل گئی۔

ا اس کو دنیوی زندگی نہیں کہتے۔ دنیوی زندگی تو اس وقت تک ہے جب تک موت نہ آئے۔ جب موت آ جاتی ہے تو دنیوی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اگر معجزانہ طور پر اللہ کسی کو زندہ بھی کر دے تو وہ دنیوی زندگی نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ دنیوی زندگی ایک خاص زمانے کا نام ہے جو پیدائش سے شروع ہو کر

موت پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے زمانہ لوٹ کر نہیں آتا ایسے ہی یہ زندگی بھی لوٹ کر نہیں آتی۔ اللہ کسی مردے کو زندہ بھی کر دے تو وہ برزخی زندگی ہی کہلائے گی۔ کیونکہ اس پر دنیا کی زندگی کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔

ایسے ہی اللہ کسی زندے کو جس کی عمر ابھی باقی ہو معجزانہ طور پر مار دے اور جتنی دیر چاہے مردہ رکھے اور پھر زندہ کر کے چھوڑ دے تاکہ وہ اپنی عمر پوری کرے تو یہ دنیوی زندگی ہی کہلائے گی۔ جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ یا بنی اسرائیل میں کئی مرتبہ ہوا۔ اس کو یوں سمجھیں قرآن میں کچھ سورتیں مکی ہیں، کچھ مدنی۔ مکی وہ کہلاتی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی وہ جو ہجرت کے بعد۔ اگر ہجرت کے بعد کوئی سورت یا آیت مکے میں نازل ہوئی تو اس کو مدنی ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ اس زمانے سے تعلق رکھتی ہے جو ہجرت کے بعد کا ہے۔ یہی حساب دنیوی اور برزخی زندگیوں کا ہے۔ موت سے پہلے کی زندگی دنیوی ہے اور موت کے بعد کی برزخی۔ اگرچہ عارضی طور پر اللہ دنیوی زندگی میں کچھ عرصہ مردہ رکھے یا برزخی زندگی میں کچھ عرصہ زندہ رکھے۔ اس کے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ یہ نہیں کہ زندہ ہی رہتے تھے۔ وہ تو معجزہ ہوتا تھا۔ جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا اللہ ان کو زندہ رکھتا۔ پھر ان کو مردہ کر دیا جاتا، بغیر موت کی تکلیف کے۔ معجزات کا یہی حال ہوتا ہے، ان کو دکھانے کے بعد اشیا کو اصلی حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بننے کے بعد پھر عصا بن جاتا تھا۔

﴿ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴾ [۲۰/طٰہٰ:۲۱]

عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا ان کا معجزہ تھا جو اللہ کا فعل تھا۔ معجزہ نبی کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مردوں کو زندہ کر کے دکھایا کہ میں جو عدم سے وجود میں لا سکتا ہوں تو میں مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہوں۔ میرے لیے ایک جہان سے دوسرے جہان میں لانا، لے جانا کوئی مشکل نہیں، لیکن معجزہ ایک خاص چیز ہوتی ہے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اس سے نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ بچے بغیر باپ کے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ مردے زندہ بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کئی مردے زندہ ہوئے، یا مردے کلام بھی کر لیتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولین سے کلام کیا تھا یا مردہ جب اس کو قبر میں رکھ کر جاتے ہیں تو وہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں، وہ جو چاہے کر دے اس کو ایک کلیہ نہیں بنا سکتے۔

ب انبیا علیہم السلام بھی نہیں سنتے؟

ا انبیا علیہم السلام کیسے سن سکتے ہیں، کیا ان پر موت نہیں آتی؟

ب موت تو آتی ہے۔

ا جب موت آتی ہے تو پھر وہ کیسے سن سکتے ہیں؟ موت تو موت ہے جس پر بھی آتی ہے مردہ کر دیتی ہے۔ مرنے والا کوئی بھی کیوں نہ ہو، نہ سن سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے، نہ کچھ کر سکتا ہے۔

ب نبیوں اور انسانوں میں تو بہت فرق ہے۔

ا فرق تو بہت ہے، لیکن موت تو ایک ہے۔ موت میں تو کوئی فرق نہیں۔

ب نبی کی ذات تو بہت بڑی ہوتی ہے۔

ا کتنی بڑی ہو، موت سے مفر نہیں، موت تو لازمی ہے۔ موت تو صرف اللہ کے لیے نہیں، باقی سب کے لیے ہے۔

ب لیکن انبیا علیہم السلام اور غیر انبیا میں فرق تو ضرور ہونا چاہیے۔

ا موت میں کیا فرق ہو سکتا ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان کی جان اوروں کی نسبت آسانی سے نکلے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان پر موت نہ آئے یا ان کی جان پوری نہ نکلے، آدھی نکلے۔ موت تو کہتے ہی پوری جان نکلنے کو ہیں۔ جس پر موت آتی ہے وہ مر جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کی روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ احساس ادراک سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے والا خواہ کوئی ہو اس جہان یعنی برزخ میں چلا جاتا ہے۔

ب نبیوں علیہم السلام اور انسانوں میں کیا فرق ہوا؟

ا آپ بتایئے کہ نبی جب دنیا میں رہتے ہیں تو ان کی زندگی میں اور انسانوں کی زندگی میں کیا فرق ہوتا ہے؟

ب انبیا علیہم السلام پر فرشتے اترتے ہیں اور اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

ا یہ فرق تو نبوت کا ہے، زندگی کا تو کوئی فرق نہیں ہوتا۔ نبی بھی زندہ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں اور عام آدمی بھی زندہ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ وہ بھی روح مع الجسم، وہ بھی روح مع الجسم۔ فرق نبوت کا ہوتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کو

نبوت کی وجہ سے جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ غیر انبیا کو نہیں ہوتا۔ یہی حال مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ برزخی زندگی سب کی یکساں ہوتی ہے، فرق صرف درجے کا ہوتا ہے۔ جیسے دنیا میں انبیا علیہم السلام کا درجہ سب سے زیادہ اور اس کی وجہ سے اللہ کا قرب زیادہ۔ اس طرح سے برزخی زندگی میں ان کا درجہ بھی سب سے زیادہ اور قرب بھی زیادہ۔ زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ زندگی سب کی ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔

ب انبیا علیہم السلام دنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا کی روحانی اور جسمانی سیریں نہیں کرتے؟

ا کیوں نہیں، اللہ جب چاہتا ہے سیر کروا دیتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔

ب جس طرح وہ دنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا کی سیر کر لیتے ہیں، اسی طرح وہ برزخ میں ہوتے ہوئے دنیا کی سیر کریں تو کیا بعید ہے؟

ا دنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا کی سیر تو ترقی ہے۔ عالم برزخ سے دنیا میں آنا تنزل ہے۔ اس لیے معراج تو ہو سکتا ہے تنزل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ دنیا قید خانہ ہے۔ یہاں آنا سزا ہے۔ آدم علیہ السلام کو بطور سزا کے ہی یہاں بھیجا گیا تھا۔ آگے جانا یا عالم بالا کی سیر عروج ہے۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے، وہ نہیں ہو سکتا۔ انبیا علیہم السلام برزخ میں ہوتے ہوئے عالم آخرت کے نظارے تو کر سکتے ہیں، واپس دنیا میں نہیں آ سکتے۔

ب ہم نے سنا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو قبروں میں بھی دنیوی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

ا دنیوی زندگی موت کے بعد کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ موت کے بعد تو برزخی

زندگی ہوتی ہے، نہ کہ دنیوی۔

ب مطلب یہ ہے کہ وہ قبروں میں ایسے ہی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔

ا دنیا کی طرح سے قبر میں وہ کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ دنیا میں تو وہ کھاتے پیتے تھے، حوائج ضروریہ ان کے ساتھ تھیں۔ کیا قبر میں بھی وہ یہ سب کچھ کرتے ہیں؟

ب کھانے تو ان کو جنتوں کے ملتے ہیں، جن کے کھانے سے بول و براز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ا یہی تو ہم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انبیا علیہم السلام کی زندگی برزخی ہوتی ہے، دنیوی نہیں ہوتی۔ وہ برزخ میں آخرت کی نعمتوں سے محظوظ ہوتے ہیں، نہ کہ دنیا کی۔ آپ سوچیں دنیوی زندگی قبر میں ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ آپ کسی زندے کو قبر میں دفن کر کے دیکھ لیں کیا وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اصل میں ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔'' موت اس سے رہائی دلانے والی ہے۔ مار کر قبر میں لے جا کر پھر دنیوی زندگی، دنیا۔ یہ ڈبل سزا ہے جو نیکوں کے لیے خصوصاً انبیا علیہم السلام کے لیے نہیں ہو سکتی۔ جب ایک عام مومن مرنے کے بعد کہتا ہے۔ ((قَدِّمُوْنِیْ، قَدِّمُوْنِیْ)) [1] (مجھے جلدی لے چلو، مجھے جلدی لے چلو) تو ایک نبی کو قبر میں دنیوی زندگی کیسے پسند آ سکتی ہے۔ جب ایک شہید مرنے کے بعد اپنے رب کے پاس جا کر رزق کھاتا ہے اور اس کی زندگی ﴿وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ [۲/البقرۃ:۱۵۴] والی برزخی ہوتی ہے تو پیغمبر کی زندگی

---

[1] بخاری: کتاب الجنائز، باب قول المیت وھو علی الجنازۃ قدمونی، رقم ۱۳۱۶۔ نسائی: کتاب الجنائز، باب السرعۃ بالجنازۃ، رقم ۱۹۰۹۔

دنیوی کیسے ہو سکتی ہے؟

ب کیا خدا ان کو قبر میں زندہ نہیں رکھ سکتا۔

ا اللہ تو سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن وہ لایعنی کام کبھی نہیں کرتا۔ وہ حکیم ہے، اس کے سب کام حکمت کے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ نے پیغمبروں کو زندہ ہی رکھنا ہو تو قبروں میں کیوں رکھے۔ باہر دنیا میں زندہ کیوں نہ رکھے، کوئی فائدہ تو ہو۔ آخر نبی کے قبر میں زندہ رکھنے سے فائدہ کیا ہوتا ہے جو اسے وہاں زندہ رکھا جائے۔ نبی دنیا میں تبلیغ کے لیے آتے ہیں۔ جب تک وہ زندہ رہتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں، قبر میں زندہ ہوں اور کر بھی کچھ نہ سکیں، اس زندگی کا ان کو یا ان کی امتوں کو کیا فائدہ؟

ب حضور ﷺ کے بارے میں تو سب کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ قبر میں دنیا کی طرح زندہ ہیں۔

ا دنیوی زندگی کوئی کمال ہے جو حضور ﷺ قبر میں بھی دنیا کی طرح زندہ ہوں۔ مرنے کے بعد تو برزخی زندگی ہی ترقی ہے اور یہی حضور ﷺ کو حاصل ہے اور آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سب کا یہی عقیدہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ ؒ میں سے کوئی اس عقیدے کا قائل نہیں تھا کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی حضور ﷺ کو قبر میں نہ چھوڑتے۔ فوراً نکال لیتے۔ یہ تو آپ لوگ ہیں کہ حضور ﷺ کو قبر میں دنیا کی طرح سے زندہ بھی کہتے ہیں اور نکالتے بھی نہیں۔ آپ جو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ قبر میں زندہ ہیں تو کیا ان کو زندہ ہی دفن کر دیا گیا تھا۔

ب دفن تو مرنے کے بعد کیا گیا تھا۔

ا پھر وہ زندہ کب اور کیسے ہو گئے؟

ب جب ان کو قبر شریف میں اتار دیا گیا تو وہ زندہ ہو گئے۔

ا اگر ان کو باہر ہی رکھا جاتا، دفن نہ کیا جاتا تو کیا پھر بھی وہ زندہ ہو جاتے۔ یا اگر اب نکال لیا جائے تو باہر آ کر وہ زندہ رہیں گے یا پھر مردہ ہو جائیں گے؟

ب اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ا موت سے لے کر تدفین تک تقریباً 32 گھنٹے حضور ﷺ باہر رہے۔ اس عرصے میں آپ زندہ رہے یا مردہ؟

ب مردہ ہی رہے ہوں گے، کیونکہ آپ ﷺ کو جب دفن کیا گیا تو مردہ ہی تھے۔

ا جب آپ اس عرصے میں مردہ ہی رہے تو اب باہر آ کر پھر زندہ کیسے ہو جائیں گے؟ آپ سوچیں کیا اس زندگی کو دنیوی زندگی کہیں گے کہ باہر ہوں تو مردہ، قبر میں جائیں تو زندہ۔ آپ کا یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ آپ ﷺ قبر میں جا کر زندہ ہو گئے اور اب بھی زندہ ہیں۔ کیونکہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے جب حجرے کی دیوار گر گئی تو ایک قدم ننگا ہو گیا۔ اکثر کا خیال تھا کہ یہ قدم رسول اللہ ﷺ کا ہے، لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ قدم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس وقت وہ تینوں پیارے اسی طرح پڑے تھے جیسے دفن کیے گئے تھے۔ دنیوی زندگی کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا۔ اگر اس وقت بھی دنیوی زندگی کے کچھ آثار نظر آتے تو پہلی صدی تھی، وہ لوگ ضرور باہر نکال لیتے۔ معلوم ہوا کہ خیر القرون میں یہ عقیدہ نہیں تھا کہ حضور ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ وہ لوگ تو حضور ﷺ کی برزخی زندگی کے ہی قائل تھے۔

آپ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں تو آپ کو اتنے عرصے کے بعد کیسے پتا لگ گیا؟

ب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تو حدیث ہے:

((نَبِیُّ اللهِ حَیٌّ یُرْزَقُ)) [1]

''نبی زندہ ہوتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں''

ا اللہ کے بندے اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ نبی قبر میں جا کر زندہ ہو جاتے ہیں اور زندگی دنیوی ہوتی ہے۔ حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔ زندگی ان کی برزخی ہے، جیسا کہ قرآن مجید شہدا کے بارے میں بتاتا ہے۔﴿ بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴾[۳/آل عمران:۱۶۹] تو جب شہدا اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق کھاتے ہیں تو انبیا علیہم السلام جو شہید گر ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی دنیوی کیسے ہو سکتی ہے۔ کیا دنیوی زندگی برزخی زندگی سے اعلیٰ ہوتی ہے یا انبیا علیہم السلام شہدا سے ادنیٰ ہوتے ہیں کہ شہدا تو مرنے کے بعد اللہ کے پاس برزخی زندگی میں ہوں اور انبیا علیہم السلام دنیوی زندگی میں۔

ب اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں تو سلام کیسے سن لیتے ہیں؟

ا وہ سلام سنتے نہیں، انھیں فرشتوں کے ذریعے سلام پہنچایا جاتا ہے۔

ب حدیث میں تو آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر پر آ کر سلام پڑھتا ہے میں اس کا سلام خود سنتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں وہ سنتے نہیں۔ کیا آپ اس

[1] ابن ماجۃ: کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم ۱۶۳۷۔

حدیث کو نہیں مانتے؟

ا آپ اس حدیث کو مانتے ہیں؟

ب کیوں نہیں......!

ا اس حدیث میں تو یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر سلام سنتے ہیں، دور کا نہیں سنتے۔ پھر آپ اپنے گھروں اور مسجدوں میں ہی بیٹھے ((اَلصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کیوں پکارتے ہیں؟

ب آپ بھی تو تشہد میں ((اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) کہتے ہیں کیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا سلام سنتے ہیں؟

ا ہمارے نزدیک تو وہ کسی وقت بھی نہیں سنتے، نہ سنانے کے لیے ہم ((اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) کہتے ہیں۔ ہم تو اسے بطور حکایت کے پڑھتے ہیں جیسا کہ قرآن پڑھتے ہیں اور اس میں ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (یعنی اے ایمان والو!) بھی آ جاتا ہے، جس سے ہماری مراد مومنوں کو بلانا یا سنانا نہیں ہوتی بلکہ صرف تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ اسی طرح تشہد ہے اس کو پڑھتے ہوئے بھی ((اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) آ جاتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر سلام کہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف تشہد پڑھنا ہوتا ہے، جس میں حکایۃً سلام بھی آ جاتا ہے۔

ب اگر آپ سلام خطاب کے طور پر نہیں کہتے تو ((اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) کیوں کہتے ہیں؟

ا آپ یہ بتائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی تشہد تھا جو آپ پڑھتے ہیں

یا کوئی اور تھا؟

ب تشہد تو یہی تھا۔

ا اگر ان کا تشہد بھی یہی تھا اور اس میں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) خطاب کے لیے ہے تو رسول اللہ ﷺ جب ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) پڑھتے تو نماز میں کس سے خطاب کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم جب حضور ﷺ کی موجودگی میں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) کہتے تو کیا رسول اللہ ﷺ ان کو جواب دیتے تھے؟

ب جواب تو نہیں دیتے تھے۔

ا کیا سلام کا جواب دینا فرض نہیں؟

ب فرض تو ہے، لیکن نماز میں فرض نہیں؟

ا پھر کیا جائز ہے؟

ب جائز بھی نہیں۔

ا جب نماز میں رسول اللہ ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سلام کہا اور آپ نے جواب نہیں دیا اور نماز میں سلام کا جواب دینا جائز بھی نہیں، تو پھر نماز میں حضور ﷺ کو سلام کہنا کیسے جائز ہوسکتا ہے اور آپ کیسے کہتے ہیں کہ ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) سے خطاب ہے۔ حالانکہ نماز اللہ کی عبادت ہے اور اس میں کسی سے تخاطب جائز نہیں۔ اگر تشہد والے سلام کا جواب حضور ﷺ نماز میں نہیں دیتے تھے تو کیا بعد از نماز دیتے تھے۔

ب سنا پڑھا تو نہیں کہ آپ ﷺ نے نماز کے بعد کبھی جواب دیا ہو۔

ا جس سلام کو رسول اللہ ﷺ زندگی میں نہ سنتے تھے، نہ سن کر جواب دیتے تھے تو اب جب کہ حضور ﷺ فوت ہو چکے ہیں یہ کہنا کہ حضور ﷺ سنتے ہیں اور سن کر جواب دیتے ہیں کس قدر غلط ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی زندگی اور موجودگی میں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) حضور کو سنانے کے لیے نہیں کہتے تھے تو ہم اب جب کہ حضور ﷺ فوت ہو چکے ہیں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) سنانے کے لیے کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جس سلام کا جواب قطعاً دیا ہی نہ جائے، نہ نماز میں، نہ نماز کے بعد، نہ زندگی میں، نہ زندگی کے بعد وہ سلام دعا تو ہوسکتا ہے سلام تخاطب اور سلام تحیہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سلام تحیہ کا جواب فرض ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾ [۴/النساء:۸۶]

یعنی ”سلام کا جواب دو۔ اول تو زیادہ ورنہ اتنا تو ضرور ہو“

جب تشہد والے سلام کا جواب حضور ﷺ نے کبھی دیا ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ وہ سلام ہی نہیں کہ حضور ﷺ سنیں اور جواب دیں۔ اگر ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) سلام کے لیے ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے آخر ”التحیات“ میں یہ سلام کیوں کہتے تھے۔ ابتدائے نماز یعنی ثنا کے ساتھ یہ سلام کیوں نہیں کہتے تھے۔ سلام تو شروع میں بوقت ملاقات کیا جاتا ہے نہ کہ گفتگو کے دوران یا آخر میں۔ جب ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ)) شروع نماز میں نہیں بلکہ آخر نماز میں ہے تو ظاہر ہے یہ

حضور ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ اللہ کی جناب میں اللہ کے پہلے کسی خطاب کی حکایت ہے جس کو برکت کے لیے ہم بطورِ دعا پڑھتے ہیں، پھر اس کے بعد درود شریف ہے۔ اس میں بھی حضور ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ اللہ سے حضور ﷺ کے لیے رحمت و برکت کی دعا ہے۔ پھر نمازی کی اپنے لیے دعا ہے جس پر نماز کا اختتام ہے اور یہ ترتیب بڑی معقول اور تعلیم نبوی کے عین مطابق ہے، کیونکہ سب سے پہلے ﴿ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [۴۰/ الغافر: ۶۵] کے تحت التحیات پڑھی جاتی ہے، جس کا منشا اظہار اخلاص دین ہے، کہ میری سب عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، میں مشرک بالکل نہیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا ہے کیونکہ ان کا حق مقدم ہے۔ وہ بڑے محسن ہیں، پھر نمازی اپنے لیے دعا کرتا ہے اور اس پر نماز کو ختم کر دیتا ہے۔ اس تشریح سے ثابت ہوا کہ ہم ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) نہ حضور ﷺ کو سنانے کے لیے کہتے ہیں اور نہ وہ سنتے ہیں ((اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) کہنے کے لیے ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

ب جب عام مردوں کو ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ)) کہہ سکتے ہیں تو حضور ﷺ کو ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) کیوں نہیں کہہ سکتے؟

ا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ تو قبرستان جا کر کہتے ہیں نہ کہ گھر بیٹھے۔ آپ ہی بتائیں گھر سے ہی مردوں کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ کہنا ٹھیک ہے؟

ب ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ)) تو قبرستان میں جا کر ہی کہا جاتا ہے۔

ا پھر آپ ((اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) گھر بیٹھے ہی کیوں کہتے

ہیں؟

ب حضور ﷺ میں اور عام مردوں میں تو بہت فرق ہے۔ عام مردوں میں تو اتنی طاقت نہیں کہ وہ ہر جگہ سے سن لیں۔ حضور ﷺ تو ہر جگہ سے سن لیتے ہیں، بلکہ وہ تو حاضر و ناظر ہیں۔

ا پھر ثابت ہو گیا نا! کہ جس حدیث کو آپ پیش کرتے ہیں اس کو آپ نہیں مانتے۔ اس حدیث میں تو صاف ہے کہ قبر پر سلام تو میں سن لیتا ہوں اور دور کا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی دور کا میں نہیں سنتا۔ جب حضور ﷺ دور کا سلام نہیں سنتے تو گھر بیٹھے ((اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) کہنا یا ان کو حاضر ناظر سمجھنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

ب آپ بھی تو اس حدیث کو نہیں مانتے۔ اس میں صاف ہے کہ جو میری قبر پر آ کر سلام کہتا ہے میں اسے سنتا ہوں، آپ کہتے ہیں وہ نہیں سنتے۔

ا ہم تو اس کو حدیث ہی نہیں مانتے کیونکہ یہ صحیح نہیں۔ ہم آپ کی طرح سے نہیں کہ آدھی جو مطلب کی ہے اسے مان لیں اور آدھی جو خلاف پڑتی ہے اسے چھوڑ دیں۔

ب اگر آپ اس حدیث کو نہیں مانتے تو پھر حضور ﷺ کی قبر پر جا کر ((اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) کیوں کہتے ہیں؟

ا جیسے قبرستان میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ عام مردوں کو کہہ سکتے ہیں، اسی طرح حضور ﷺ کی قبر پر جا کر ((اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) حضور ﷺ کو کہہ سکتے ہیں۔

ب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سنتے ہیں۔ اگر وہ سنتے نہ ہوں تو کیوں ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کہا جاتا ہے؟

ا اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے کے لیے نہیں کہا جاتا، نہ ہی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ عام مردوں کو سنانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ سنتے نہ عام مردے ہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ب پھر انھیں پکار کر سلام کیوں کیا جاتا ہے؟

ا پکار کر سلام ان کو سنانے کے لیے نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے دل کو متوجہ اور نرم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ہم ان کو زندہ فرض کر کے سلام دعا کہتے ہیں تا کہ دل حاضر ہو۔ فوت شدہ کو مخاطب کر کے سلام کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے فوت شدہ عزیز کی لاش سے باتیں کرے۔ بیٹا مر جاتا ہے تو باپ اسے کہتا ہے: بیٹا! مجھے تم اکیلے چھوڑ گئے۔ اب میں کسے بیٹا کہوں گا؟ تم ہی تو میرے بڑھاپے کا سہارا تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ باپ کو یقین ہوتا ہے کہ بیٹا میری کوئی بات نہیں سنتا، لیکن پھر بھی وہ اسے مخاطب کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ ہم بھی فوت شدگان کو مخاطب کے صیغے سے زندوں کی طرح سلام دعا دیں۔ تا کہ دل پر ان کی یاد کا اثر ہو۔ ان کا ادب و احترام بھی زندوں کی طرح کریں۔ ان کو غسل دیں تو آرام سے، رکھیں یا اٹھائیں تو احترام سے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کَسْرُ عَظْمِ الْمَیِّتِ کَکَسْرِہٖ حَیًّا))

یعنی ''مردے کی ہڈی توڑنا زندے کی ہڈی توڑنے کے مترادف ہے۔'' [1]

مردے اگرچہ مردے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے، نہ سنتے ہیں، نہ کچھ اور کر سکتے ہیں، لیکن ان کے ساتھ سلوک ایسا کرنے کا حکم ہے گویا وہ زندہ ہیں۔ اس میں ان کا ادب و احترام بھی ہے اور ہمارے لیے رقت قلب کا سامان بھی۔ مردوں کو زندہ فرض کر لینا ایسے ہی ہے جیسے کسی نیک اور بزرگ شخص کو احتراماً باپ سمجھ لینا اور پھر اس سے باپ والا سلوک کرنا یا کسی شریف لڑکے کو بیٹا سمجھنا اور بیٹا کہنا اگرچہ حقیقت میں نہ وہ باپ ہے نہ یہ بیٹا۔ سمجھ لینا اور فرض کر لینا اور بات ہے اور حقیقت ہونا اور بات ہے۔

ب پھر اس حدیث کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ اس میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ جو میری قبر پر آکر سلام کہتا ہے میں اسے سنتا ہوں۔

ا اللہ کے بندے! یہ حدیث نہ صحیح ہے اور نہ کسی کو قابل قبول۔ یہ بریلویوں کو بھی قبول نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب بعید ہر جگہ سے سنتے ہیں بلکہ وہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تک کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث کہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے سنتے ہیں، دور سے نہیں سنتے۔ اگر بریلوی دوست اسی حدیث کو مانتے ہوتے تو ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کا جھگڑا بھی ختم ہوتا اور علم غیب اور حاضر و ناظر کا رگڑا بھی۔ کیوں کہ جب سننے میں قریب و بعید کا فرق ہوا تو نہ حاضر و ناظر رہے، نہ عالم الغیب۔ یہ حدیث اوروں کو بھی قبول نہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اب نہ

---

[1] ابوداود: کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکب ذلک المکان؟، رقم ۳۲۰۷۔ ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب فی النهی عن کسر عظام المیت، رقم ۱۶۱۶۔ ارواء الغلیل: ۳/۲۱۳، رقم ۷۶۳۔

قریب سے سنتے ہیں، نہ بعید سے۔ جہاں سے بھی صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے، فرشتے جو اس امر کے لیے مامور ہیں پہنچا دیتے ہیں۔

ب یہ حدیث صحیح کیوں نہیں؟

ا آپ صحیح کی پوچھتے ہیں، یہ تو ضعیف کے درجے سے بھی گری ہوئی ہے۔ اسے بلکہ جھوٹی اور موضوع کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے۔

ب اس میں ' ہے؟

ا ایک تو اس میں العلاء بن عمرو اور محمد بن مروان السدی ضعیف ہیں، خاص کر محمد بن مروان السدی کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا اور جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ کبھی کچھ کہہ دیتا، کبھی کچھ۔ اس سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ایک میں کہتا ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ)) [1]

''قبر کا سلام حضور ﷺ خود سنتے ہیں''

دوسری میں کہتا ہے کہ قبر کا سلام بھی فرشتے پہنچاتے ہیں:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وُكِّلَ بِهٖ مَلَكًا يُّبَلِّغُنِیْ)) [2]

یعنی حضور ﷺ خود نہیں سنتے بلکہ مقرر فرشتہ انہیں پہنچاتا ہے۔

یہ دونوں روایتیں امام بیہقی نے روایت کی ہیں اور ان دونوں

---

[1] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ۱/۲۳۹ رقم: ۲۰۳۔ مشکوۃ: کتاب الصلاۃ: النبی ﷺ وفضلها، رقم ۹۳۴۔

[2] سنن کبریٰ بیہقی: کتاب الحج، باب زیارۃ قبر النبی ﷺ بمعناہ۔ الترغیب والترغیب فی اکثار الصلوۃ علی النبی والترھیب من ترکھا عندذکرہ ﷺ کثیر اد

ہے۔ یہ حدیث اس لیے بھی غلط ہے کہ یہ اور بہت سی صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

① چنانچہ ایک حدیث ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ)) [1]

یعنی ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (ان میں نفل نوافل پڑھا کرو) اور میری قبر پر اجتماع نہ کرو (نہ صلاۃ وسلام کے لیے، نہ عرسوں میلوں کے لیے) اور مجھ پر درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو۔'' (قبر کے قریب ہو یا دور)

② ایک دوسری حدیث میں جو کہ نسائی، دارمی، مسند احمد، ابن حبان اور حاکم میں ہے، وضاحت ہے کہ جو صلاۃ وسلام حضور ﷺ پر پڑھا جاتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِی الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامَ)) [2]

یعنی ''اللہ نے روئے زمین پر فرشتے چھوڑ رکھے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔''

اس حدیث کی تائید اور حدیثیں بھی کرتی ہیں۔

---

[1] ابوداؤد: کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، رقم ۲۰۴۲: مشکوۃ، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها، رقم ۹۲۶۔ [2] نسائی: کتاب السهو، باب التسلیم علی النبی ﷺ، رقم ۱۲۸۳۔ مشکوۃ کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها، رقم ۲۹۴۔

③ چنانچہ حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ سلام کے لیے حجرے میں داخل ہو رہا ہے تو انھوں نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ میں تجھے وہ حدیث نہ سناؤں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی، یعنی ''میری قبر پر میلہ نہ کرنا اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بنانا، تمہارا سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو۔''

مطلب یہ کہ سلام کہنے کے لیے قبر کے قریب آنے کی ضرورت نہیں، جہاں سے کہو گے مجھے پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا فَاِنَّ تَسْلِیْمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ)) [1]

④ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب یہی حدیث مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

((صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَ لَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا وَلَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ وَ سَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ وَ سَلَامَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ رَوَاهُمَا اَبُوْیَعْلٰی الْمُوْصِلِیْ)) [2]

⑤ سنن سعید بن منصور میں حدیث ہے۔ سہل بن سہیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے الحسن بن الحسن نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا کھاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اور آواز دی کہ آیئے کھانا کھایئے۔ میں نے کہا دل نہیں چاہتا۔ پھر مجھ سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر

[1] مسند ابی یعلی الموصلی ۱/ ۲۴۶، رقم ۴۶۵۔ من تحقیق شیخ ارشاد الحق اثری۔

[2] مسند ابی یعلی الموصلی ۶/ ۱۷۱، رقم ۶۷۲۸۔ من حدیث حسین بن علی بن ابی طالب۔

کے پاس کیسے کھڑے تھے۔ میں نے کہا سلام کہہ رہا تھا۔ انھوں نے کہا اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ فَسَلِّمْ یعنی ''جب تو مسجد میں داخل ہو تو سلام کہہ لیا کر۔'' سلام کہنے کے لیے قبر پر آنے کی ضرورت نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَلَا تَتَّخِذُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ مَسَاجِدَ مَا اَنْتُمْ وَ مَنْ بِالْاُنْدُلُسِ اِلَّا سَوَاءٌ))

یعنی ''اکٹھے ہو کر میری قبر کو میلہ نہ بنانا۔ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے رہنا۔ ان کو قبریں نہ بنانا کہ جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا۔ تمہارا درود جہاں بھی تم ہو گے مجھے پہنچ جائے گا۔ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے انبیا کی قبروں کو اجتماع کر کے عبادت گاہیں بنا لیا۔ صلاۃ وسلام کہنے میں تم جو مدینہ میں ہو اور وہ جو اسپین میں ہیں برابر ہیں۔''

مطلب یہ کہ صلاۃ وسلام کے لیے میری قبر پر جمع نہ ہونا، دور و نزدیک کی کوئی بات نہیں، ہر جگہ سے فرشتے ہی پہنچاتے ہیں۔

⑥ ابوسعید مولیٰ الھروی سے بھی انہی الفاظ کے ساتھ ایک حدیث مروی ہے۔

ب آپ تو اس حدیث کو غلط قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ حدیث مشہور بہت ہے۔

ا لوگوں میں مشہور ہو جانے سے کوئی حدیث صحیح نہیں ہو جاتی۔ لوگوں میں تو بہت باتیں مشہور ہوتی ہیں، حالانکہ وہ غلط ہوتی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پر چڑھایا جانا عیسائیوں میں کتنا مشہور ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ جیسا کہ قرآن

نے بیان کیا ہے۔اسی طرح سے کئی احادیث ہیں جو زبان زدِ عوام ہیں، لیکن بالکل موضوع اور جھوٹی ہیں۔جیسا کہ "لولاک" [1] والی حدیث ہے۔اس طرح ((اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ)) اور ((كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ)) [2] اور ((وَ اَنَا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ)) وغیرہ۔

ب ان احادیث کو تو بڑے بڑے مولوی بیان کرتے ہیں۔

ا عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کو بھی عیسائیوں کے پادری اور مولوی ہی بیان کرتے ہیں۔کیا ان کے بیان کرنے سے یہ بات صحیح ہو جائے گی کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی چڑھائے گئے۔اصل میں جب جہالت کا دور دورہ ہوتا ہے تو عوام کے مولوی بھی ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے عوام ہوتے ہیں۔جیسے جاہل عیسائی تھے ویسے ان کے مولوی بن گئے جو عوام کہتے تھے وہی وہ کہنے لگ گئے۔کسی قوم کو زوال آتا ہی اس وقت ہے جب کہ عوام کے ساتھ ان کے علما بھی جاہل اور مقلد ہو جاتے ہیں۔تحقیق کا مادہ ان میں نہیں رہتا۔لکیر کے فقیر بن کر رہ جاتے ہیں۔

ب اس حدیث کو تو آپ نے غلط بتا دیا لیکن اس حدیث کو کیا کریں گے جو مشکوۃ شریف میں بایں الفاظ موجود ہے۔

((مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ))

[1] لولاک لما خلقت الافلاک۔سلسلۃ احادیث ضعیفہ البانی ۱/ ۲۹۸ رقم ۲۸۲۔موضوعات کبریٰ: ملا علی قاری ص ۱۹۴، رقم ۷۵۴۔ [2] سلسلۃ احادیث ضعیفہ البانی ۱/ ۳۱۶، رقم ۳۰۲، ۳۰۳۔موضوعات کبریٰ: ملا علی قاری ص ۱۷۸، رقم ۶۹۳۔

"جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں" [1]

اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سلام کہنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ سن کر ہی جواب دیتے ہوں گے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا یا سلام سننا کیسے ثابت ہو گیا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں ورنہ جواب کے وقت جسم میں روح لوٹانے کے کیا معنی۔کیا زندے کے جسم میں بھی روح لوٹائی جاتی ہے؟

ب سلام تو ہر وقت کوئی نہ کوئی بھیجتا ہی رہتا ہے اور ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے رہتے ہیں۔اس لیے روح ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں رہتی ہے، جس سے زندگی ثابت ہوتی ہے۔جب زندگی ثابت ہو گئی تو سننا بھی ثابت ہو گیا۔

ا جب روح ہر وقت جسم اطہر میں رہتی ہے تو پھر جواب کے وقت روح لوٹانے کے کیا معنی؟ حدیث تو روح لوٹائے جانے کی تصریح کر رہی ہے اور آپ کہتے ہیں وہ ہر وقت جسم میں رہتی ہے اور اس سے دنیوی زندگی ثابت ہوتی ہے۔یہ تو آپ بتائیے کہ فوت ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر جو بتیس گھنٹے تک باہر رہا اس اثنا کے سلاموں کا جواب دینے کے لیے روح آپ کے جسم میں لوٹائی گئی اور آپ زندہ ہوئے یا اس عرصے میں صلاۃ وسلام ہی کسی نے نہیں پڑھا کہ جواب دینے کی نوبت آتی اور روح لوٹائی جاتی اور اس عرصے میں بھی

[1] ابوداؤد: کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، رقم ۲۰۴۱۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا والی کوئی مصروفیت نہ تھی، کیا اس عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سلاموں کو سن کر جواب دیا؟ اگر جواب دیا تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح لوٹائی گئی تھی اور آپ زندہ ہو گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں کی طرح سلام سن کر جواب دیے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ دیکھ کر پھر دفن کیسے کر دیا؟ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اثنا میں زندہ ہی نہیں ہوتے تھے تو اس کی کیا وجہ؟ کیا اس وقت روئے زمین پر کوئی سلام کہنے والا ہی نہیں تھا یا ان کو سلام کہنے سے روک دیا گیا تھا یا اس عرصے کے سلاموں کے جواب دینے کے لیے روح نہیں لوٹائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں ہوئے۔ تو یہی ہم کہتے ہیں کہ موت کے بعد برزخ میں روح لوٹانے سے آدمی زندہ نہیں ہوتا اور اگر روح لوٹائی نہیں گئی، حالانکہ اس اثنا میں یقیناً بہت سے سلام پڑھے گئے ہوں گے تو پھر ان سلاموں کا کیا بنا؟ کیا ان کا جواب دیا ہی نہیں گیا اور یہ ہو نہیں سکتا اور اگر دیا گیا، لیکن کسی وقت بعد میں تو یہی ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنے سلام پڑھے جاتے ہیں وہ سب سلام دعا ہوتے ہیں۔ ان کا سننا اور اسی وقت جواب دینا ضروری نہیں، بلکہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ان تمام سلاموں کو جمع کر کے کسی خاص وقت میں جب اللہ کو منظور ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتے ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے حق میں جوابی دعا دے دیتے ہیں اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔ اس حدیث سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ جونہی کسی نے سلام پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فوراً جواب دیا۔ گویا کہ آپ ہر وقت سلاموں کے جواب کے انتظار میں ہی رہتے ہیں اور سلاموں کے جواب دینے کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو کوئی کام نہیں، نہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں اور نہ حدیث کی یہ مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بہت سی صحیح احادیث میں صراحتاً یہ آ چکا ہے کہ سلام فرشتے پہنچاتے ہیں خواہ کوئی دور پڑھے یا قریب۔ آپ کو سننے اور فوراً جواب دینے کی تکلیف نہیں دی جاتی۔

ب اگر آپ سلام نہیں سنتے تو روح کس لیے لوٹائی جاتی ہے؟

ا روح تو جواب دینے کے لیے لوٹائی جاتی ہے، نہ کہ سلام سننے کے لیے اور جواب کبھی بھی دیا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ سلام سلام تحیہ نہیں ہوتا کہ جس کا سن کر فوراً جواب دیا جائے۔ وہ تو سلام دعا ہوتا ہے جیسا کہ خط میں اپنے کسی دوست کو السلام علیکم لکھا جاتا ہے اور پھر جب اسے خط پہنچتا ہے تو وہ سلام کا جواب دے دیتا ہے۔

ب روح تو لوٹائی جاتی ہے خواہ جواب دینے کے لیے ہی سہی۔ اس کو تو آپ مانتے ہیں۔

ا اس کو تو ہم مانتے ہیں، جو آ گیا اس کو کیسے نہ مانیں، لیکن اس کی کیفیت اور تاثیر کو ہم نہیں جانتے۔ کیونکہ عالم برزخ کا معاملہ ہے، عالم دنیا میں رہتے ہوئے عالم برزخ کی کیفیات اور حالات کو جاننا اور سمجھنا انسانی ادراک سے باہر ہے۔

ب جب روح لوٹائی گئی تو زندگی تو آ گئی، کیونکہ زندگی عبارت ہے روح اور جسم کے اتصال سے۔ جب روح آ گئی تو زندہ تو ہو گئے۔

ا بھئی! یہ اتصال وانفصال برزخی ہے۔ جس کی کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے، لیکن یہ یقینی بات ہے کہ برزخ میں روح لوٹائے جانے سے مردہ زندہ نہیں ہوتا بلکہ

مردہ ہی رہتا ہے اور زندگی برزخی رہتی ہے۔ برزخ میں بھی دنیا کی طرح سے روح کا تعلق جسم سے بڑھتا گھٹتا رہتا ہے جیسے دنیوی زندگی میں سونے اور جاگنے میں اس تعلق کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ اسی طرح برزخی زندگی میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ بیداری کی حالت میں روح پوری طرح سے جسم میں ہوتی ہے اور آدمی کے پورے ہوش وحواس قائم ہوتے ہیں۔

نیند کی حالت میں روح بہت حد تک جسم سے نکل جاتی ہے، لیکن مضبوط تعلق باقی رہتا ہے جس سے نبض چلتی اور انسانی مشینری کام کرتی رہتی ہے اور آدمی زندہ رہتا ہے۔ اگرچہ اس کے ہوش وحواس قائم نہیں ہوتے۔ نیند کی حالت میں آدمی موت یعنی برزخی زندگی کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اگرچہ مرتا نہیں، رہتا زندہ ہی ہے۔ اسی طرح برزخ میں بھی جب روح لوٹائی جاتی ہے تو آدمی زندہ ہونے کے قریب ہوتا ہے، لیکن زندہ نہیں ہوتا، مردہ ہی رہتا ہے اور اس عالم دنیا سے بالکل بے خبر اور زندگی برزخی رہتی ہے۔

روح بدن میں ایک دفعہ داخل ہو جانے کے بعد لاتعلق کبھی نہیں ہوتی۔ زندگی میں یہ روح بدن کے اندر رہتی ہے، مرنے کے بعد اگرچہ بالکل نکل جاتی ہے، لیکن تعلق ضرور رہتا ہے۔ کبھی کم کبھی زیادہ، برزخ میں روح کا لوٹایا جانا بھی اسی تعلق کی زیادتی کی ہی ایک صورت ہے لیکن اس سے دنیوی زندگی نہیں آتی کہ عالم دنیا کا شعور ہو۔ برزخی زندگی کے واردات کے ادراک وشعور میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ روح علیین میں رہے یا سجین میں، بدن سے اس کا تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ اگرچہ دنیا میں رہتے ہوئے ہم اس تعلق کا ادراک نہیں کر

سکتے۔ لیکن ہم اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسی تعلق کے تحت ہی عذاب قبر ہوتا ہے جس کا انکار مکابرہ ہے۔ قرآن وحدیث اس پر شاہد عدل ہیں اور عقل سلیم بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ جب عمل کرنے میں دونوں شریک تو مرنے کے بعد جب جزا وسزا کا عمل فوراً شروع ہو جاتا ہے تو ایک کو چھٹی کیوں؟ برزخ اور آخرت دونوں میں روح اور جسم دونوں شریک رہتے ہیں۔ اگرچہ جسم ذرات کی شکل میں ہو جائے۔

ب: عذاب قبر کی بھی آپ نے خوب کہی یہ مسئلہ بڑا نازک ہے، کوئی اسے مانتا ہے کوئی نہیں۔

ا: نہ ماننا تو بہت خطرناک ہے کیونکہ یہ عقیدے کی بات ہے اور عقیدہ بھی اجماعی جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے، نہ ماننے والے یا تو وہ ہیں جن کا اپنی عقل پر ایمان زیادہ ہے اور قرآن وحدیث پر کم، یا وہ جو عقیدے "مردے سنتے ہیں" کے ردعمل کا شکار ہیں۔ ایک فریق نے اتنا غلو کیا کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کر دیا۔ دوسرے نے ضد میں آ کر عذاب قبر کا بھی انکار کر دیا۔ اسی طرح سے دونوں گمراہ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے عالم دنیا میں ہے جب مر جاتا ہے تو عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ جہاں وہ دنیا کے واقعات سے بالکل بے خبر اور مردہ اور برزخ کے واردات سے بالکل باخبر اور زندہ۔

ب: بات تو ٹھیک ہے جب جہان ہی دوسرا ہو گیا تو ادھر سے سب کچھ ختم اور ادھر کا کام شروع۔

اسی لیے تو میں نے کہا تھا کہ مردے سنتے نہیں۔

ب میری سمجھ میں تو بالکل آ گیا ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں، لیکن میں حیران ہوں کہ مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد اس غلطی کا شکار ہے۔

ا دین کے معاملہ میں اکثریت اور اقلیت کو نہیں دیکھا کرتے۔ حق کو دیکھا کرتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے ہوشیار اور خبردار کیا ہے:

﴿ وَ اِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ [٦/الانعام:١١٦]

”اگر تو اکثریت کے پیچھے جائے گا تو وہ راہ حق پر کبھی نہیں رہنے دیں گے۔“

اکثریت دنیا کی ایسی ہے جو نہ سوچتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں۔ لکیر کے فقیر ہیں۔ اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

ب یہ بالکل ٹھیک ہے۔ دنیا میں جہالت زیادہ، علم کم، بے انصافی زیادہ، انصاف کم ہے، جھوٹے زیادہ، سچے کم، بے ایمان زیادہ، ایمان دار کم، بدی زیادہ، نیکی کم، غرضیکہ ہر بری چیز زیادہ ہے اور اچھی کم۔ مجھے سب سے زیادہ جس بات نے متاثر کیا وہ ہے آپ کا انداز گفتگو۔ آپ لوگ ہر بات دلیل سے کرتے ہیں اور خوب سمجھاتے ہیں۔ ہمارے مولوی ایسا نہیں کرتے۔

ا بھئی! وہ کر بھی نہیں سکتے۔ ان کے پاس حق نہیں۔ یہ تو لکیر کے فقیر ہیں۔ اللہ انھیں ہدایت دے۔

ب آپ کی یہ بات بھی بڑی معقول ہے کہ مزاروں اور خانقاہوں پر آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اسی عقیدے کے تحت ہو رہا ہے کہ بزرگ مرتے نہیں۔ پردہ کر لیتے ہیں اور اپنی قبروں میں زندہ اور سب کچھ سنتے ہیں۔

ا یہ حقیقت ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو مزاروں پر یہ ہجوم کبھی نہ ہو اور نہ یہ خرابیاں ہوں جو آج وہاں ہو رہی ہیں حتیٰ کہ سوائے نیکی کے سب کچھ وہاں ہوتا ہے۔

ب یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا میں اب اجازت چاہتا ہوں، میں نے آپ کا بہت وقت لیا، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے تو میری کایا پلٹ دی۔ میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں پھر کبھی حاضر ہوں گا اور مزید استفادہ کروں گا۔

ا بہت اچھا۔

ب اچھا السلام علیکم۔

ا وعلیکم السلام! فی امان اللہ۔!

ختم شد

☆☆☆☆☆☆